



اس صدی کے ادائل میں ایک بڑے نواب پر کیا گزری؟ یہ داستان ہجرت انگیز

بھی ہے اور لرزہ خیز بھی —————

ادارہ اس اعتماد سے مینو یا سمن قبا کی یہ تحریر شائع کر رہا ہے کہ آپ

نے اس سے قبل ایسا کوئی واقعہ نہیں پڑھا ہوگا —————

مکمل تاثر کے لئے بہتر ہے کہ آپ اسے ایک ہی نشست میں پڑھیں۔

(ادارہ)





کے ساتھ گزارتے تھے۔ دنیا بھر کے مسائل پر بحث ہوتی
شرطیچ کھلی جاتی اور آپ بھری باتیں۔ ماضی کو یاد
کیا جاتا اور ماضی کے تلخ دشواریوں واقعات کو دہرایا
جاتا۔ ان دونوں کے درمیان حسرت و یاس کی گفتگو
ہوتی۔ زندگی کے بارے میں ان دونوں کا رویہ منفی تھا۔
دوسرے سرد اس تھے۔ مایوسی، بیزاری، بد دلی اور
بے نیازی ان کے ہر طور اور گفتگو کے ہر نقطہ سے
تھلکتی تھی۔

دیے اس عمل میں ادا سی کے سوا ہر چیز خوش رنگ
تھی اور زندگی میں تازگی، شادمانی اور شادابی کا احسا
دلاتی تھی۔ ادا اس تو صرف نواب صاحب تھے اور ان
کے رفیق خاص حکیم صاحب۔ باقی تیسروں کا شور و غل،
ملازمین کی فوج کے ہنگامے، گل رخ کے قمقمے، زینت
بیلیم کی شوخیاں، جھولے، گیت، رسوم، طرح طرح کے
کھانوں کے مقابلے، رکنزوں اور خدام کے درمیان عیش کے
چرچے، چھٹرائیاں، لڑائیاں، طعن و تشنیع، رقابتیں
اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے معرکے عام
تھے۔ اس محل کا اپنا ایک الگ معاشرہ تھا۔ اس
کی اپنی قدریں اور اس کا اپنا مزاج تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
شہر بھر کے نوابین، نواب احتشام اللہ کے محل کے اندر
موجود ایک جدا گانہ معاشرے کو رشک کی نظروں سے
دیکھتے تھے۔ اور نواب احتشام اللہ کے ملازمین ایسے
دنا شدہ تھے کہ وہ اس محل کے سوا کہیں دوسری جگہ

نواب احتشام اللہ کے محل میں کیا نہیں تھا۔
وہ ایک بلند و بالا عالیشان محل تھا۔ وہاں قطار در قطار
منزل بہ منزل نوادر۔ سے بھرے ہوئے وسیع وسیع
کمرے تھے۔ خوبصورت باغ تھا اور باغ میں طرح طرح
کے درخت سرائٹھائے کھڑے تھے جو محل کی شوکت و
عظمت میں کچھ اور اضافے کا سبب بنے ہوئے تھے۔
رکنزوں اور خادموں کا ہجوم نواب صاحب اور ان
کی نوجوان و حسین و جمیل لڑکی کی خدمت میں ہمیشہ
ستھ رہتا تھا۔ نواب احتشام اللہ ان نوابین میں
شمار ہوتے تھے۔ جن کے ہاں دولت فلوں سے مستقل
وٹی چلی آرہی تھی۔ اور ان کا شمار ان نوابین میں ہوتا
تھا جو دولت کی فراوانی کے باوجود وضع داری اور بچہ و
بھار پر یقین رکھتے تھے۔ وہ اپنی قدردوں میں رہے
بے ہوئے تھے۔ عزت و ناموس پر عرف آسنے کے
بجائے وہ موت کو ترجیح دیتے تھے۔ نواب صاحب
مزعیم انفس، ایشاپسند اور خاموش طبع شخص تھے۔
وہ بہت کم کہیں آتے جاتے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ
جگہ پورے ذوق و شوق سے جاتے اور زندگی کی
نگارنگیوں میں ہر طرح سے دلچسپی لیتے۔ مگر اب کچھ
مے سے انہوں نے خود کو بہت محدود اور مقید سا
لیا تھا۔ ان کے صرف ایک دوست تھے جسکیم
ع الدین، جو گونا گونا زیادہ وقت نواب صاحب

ملازمت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جس وقت نواب صاحب کا متفکر چہرہ دیکھتے تو ان کی ساری شوخیاں غائب ہو جاتیں۔ انھیں اپنے عالی وقار نواب سے گہری محبت تھی۔ نواب صاحب محل کے جس حصے سے گزر جاتے، وہاں سوگوار فضا مسلط ہو جاتی۔ ساری شوخیاں رخصت ہو جاتیں اور زجر جسم ہرے ہو جاتے۔

بات بھی کچھ کم المناک نہ تھی۔ پے درپے سائیکلو نے نواب صاحب سے ان کی تمام سرخوشی بچھین لی تھی۔ ان کا خاندان یوں بھی مختصر تھا اور اس پر مصائب کا ایک زخم ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ حسن و جمال میں بے مثال۔ و درتک ان کے بے پناہ حسن کے چرچے تھے۔ وہ دونوں نہیں جب ایک جگہ کھڑی ہوتیں تو یہ کہنا مشکل ہو جاتا کہ ان میں کون زیادہ اور کون کم حسین ہے۔ خدا نے انھیں شاید کسی خاص علم میں بنایا ہوگا۔ ان میں سے بڑی کا نام تھا بدر مینر اور چھوٹی کا ماہ مینر۔ نواب صاحب نے بچپن ہی سے ان دونوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھا تھا۔ وہ مشرقی طرز کے آدمی تھے۔ انہوں نے مشرق کے تمام علوم و فنون سے اپنی لڑکیوں کو آراستہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن جو نواب صاحب چاہتے تھے وہ نہ ہو سکا۔ جس طرح انہوں نے سوچا تھا وہ سب خواب ہو گیا۔ تین سال قبل جب اس محل میں زندگی مسکراتی اور اٹھلاتی پھرتی تھی۔ اس وقت اچانک نواب صاحب کی بیگم ارجمند بانو کا انتقال ہو گیا۔ ارجمند بانو اپنی بیٹیوں کی طرح نہایت حسین اندام و متاع خاتون تھیں۔ صحت کے اعتبار سے وہ اپنی لڑکیوں سے زیادہ بڑی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ یوں

بھی ان کی عمر زیادہ نہ تھی۔ یہی کوئی اڑتیس چالیس سال کے قریب۔ نواب صاحب اپنی بیگم کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ وہ اس محل میں نور جہاں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایک رات جب نواب صاحب رام نگر کے قریب جنگلات میں شکار کے لئے گئے ہوئے تھے کہ ارجمند بانو کا انتقال ہو گیا۔ وہ رات کو تمام کینڑوں کو رخصت کر کے مسکراتی اور نہایت خوشگوار ماحول میں بستر پر دراز ہوئی تھیں۔ صبح دم جب کینڑیں انہیں جگانے گئیں تو وہ اپنے بستر پر بڑی بے ترتیب حالت میں مردہ پائی گئیں۔ ان کی آنکھیں حیرت سے کھٹی ہوئی تھیں اور لباس تار تار تھا۔ کئی کینڑیں ان کی اس حالت کو دیکھ کر بیوقوف ہو گئیں۔ ارجمند بانو اور ان کی دو لڑکیوں کے کمرے سب سے اوپری منزل پر تھے۔ ان کمروں تک باہر کے کسی شخص کی رسائی مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔ درمیان میں دیوڑھیوں، کمرول، بانس اور بڑے دروازے کے علاوہ مضبوط سی فصیل تھی۔ ملازمین کے مکانات فصیل سے ملے ہوئے تھے۔ رات کو دربان یا قاعدہ جاگتے رہے تھے۔ اور بیگم صاحبہ کی حالت کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ کمرے میں کسی شخص نے داخل ہو کر ان کے ساتھ گستاخی کی ہے۔ ان کے جسم پر تار تار لباس اور کمرے کی بے ترتیب چیزوں کو دیکھ کر ایک عام شخص بھی یہی رائے قائم کرتا کہ کمرے میں غصب کوئی داخل ہوا ہے۔

نواب صاحب کے پاس آنا فانا ایک قاصد روانہ کیا گیا کہ بیگم صاحبہ کی حالت بہت نازک ہے۔ انہیں شکار چھوڑ کر فوراً واپس آ جانا چاہئے۔ دفن کے قریب کہیں نواب صاحب واپس آئے۔

جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ بیگم صاحبہ ان سے روٹھ کر دوسری
 جہان میں چلی گئی ہیں تو ان پر پاگلوں کی سی کیفیت ماری
 ہو گئی۔ انہوں نے ایک ایک کینڑ کو بھجھوڑ کر پوچھا: 'تاؤ
 تم نے ارجمند بیگم کے ساتھ کیا کیا ہے۔' وہ پھوٹ پھوٹ کر
 جھناڑے سے لپٹ کر روتے تھے۔ لوگوں نے بڑی مشکل
 سے انہیں علیحدہ کیا۔ دوسری طرف ان کی دونوں لڑکیاں
 سو گوار کھڑی تھیں۔ وہ سب ایک دوسرے سے مل کر روتے
 اور چیختے مارہے تھے۔

ارجمند بانو کیا گئیں اس عمل سے سب کچھ چلا گیا۔ جن غیر
 متوقع اور عجیب حالات میں ان کا انتقال ہوا وہ کسی کے
 لئے بھی ایک بڑے سانحے سے کم نہ تھا۔ ان کی موت کی
 کوئی یقینی وجہ کا تعین نہ ہو سکا۔ حکیم شجاع الدین اور
 جہانگیر و زرگوں کی رائے میں ان کے نظام جسم میں
 اچانک کوئی تبدیلی ہو جانے، ذمائی رگ پھٹ جانے،
 مایوخیلیا، خفقان اور ایسے ہی پاگل پن کے کسی مرض کا
 ان پر دورہ پڑا اور پھر انکی حرکت قلب بند ہو گئی۔ کچھ لوگوں
 کی رائے میں یہ موت کسی بڑے خواب کا نتیجہ تھی۔ کچھ لوگ
 ملازموں پر شبہ کرتے تھے اور بعض لوگوں کی رائے تھی
 کہ اس بھیانک موت کے عقب میں خود نواب صاحب
 موجود ہیں۔ ان کے شکار پر جانے اور اس رات غسل
 سے غائب رہنے کے متعلق لوگ طرح طرح کے قیاس
 قائم کر رہے تھے۔ غرضیکہ جتنے منہ، اتنی باتیں تھیں۔ اس
 کے بعد نواب صاحب کے چہرے کی ترونازگی جاتی رہی۔
 وہ خاموش خاموش اور اداس اداس رہنے لگے۔ ایسا
 معلوم ہوتا تھا کہ وہ جبراً اپنے دن گزار رہے ہوں۔
 ملازمین کا خیال تھا۔ اگر نواب صاحب کے سامنے ان

کی دونوں لڑکیاں نہ ہوتیں تو وہ اس حادثے سے
 پاگل ہو جاتے یا خودکشی کر لیتے۔

اس کے بعد نواب صاحب کی زندگی میں غیر معمولی
 تغیر رونما ہونے لگا۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔
 اور حکیم شجاع الدین کے مشورے پر وہ اپنا زیادہ وقت
 مطالعے اور اپنی لڑکیوں کی نگہداشت پر صرف کرنے لگے
 اور اس طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک سال میں زخم
 مندمل تو نہیں ہوئے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ ملازموں میں
 پھر سے چل پھل شروع ہو گئی۔ بدرمیر بڑی لائق لڑکی
 نکلی۔ وہ اپنی ماں کی صحیح جانشین ثابت ہوئی۔ غمزدہ باپ
 کی مزاج پر مہی میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتی۔ ایک
 سال بعد بدرمیر کے پیام آنے لگے اور نواب صاحب کو
 اب یہ غم ستانے لگا کہ یہ دونوں لڑکیاں شادی کے بعد
 ان سے جدا ہو جائیں گی۔ شادی تو انہیں بہر حال لڑکیوں
 کی کرنا ہی تھی۔ آج نہیں تو کل۔ انہیں رخصت کرنا تو
 لازمی تھا۔ شہر اور بیرون شہر کے نواب زادوں کے کتنی
 رشتے آئے۔ مگر کوئی بھی نواب احتشام اللہ کے میاں پر
 پورا نہیں اتر سکا۔ وہ اپنی بڑی لڑکی کی شادی پورے
 نزدیک احتشام سے کرنا چاہتے تھے۔ کہ ان کی مرحوم
 بیگم بدرمیر کی شادی شہزادوں کی طرح کرنا چاہتی
 تھیں۔ بدرمیر کے حسن کے متعلق عجیب و غریب افسانے
 شہر میں مشہور تھے۔ رشتوں کا ایک سلسلہ تھا جو در
 رکتا تھا۔ نواب احتشام اللہ کے لئے انتخاب ایک مستند
 بن گیا تھا۔ وہ بے دریغ رشتوں کو مسترد کرتے رہے
 اس پر بہت سے نوابین ان سے برا فروختہ ہوئے اور
 کچھ نے ان سے تعلقات ختم کر دیے۔ نواب صاحب کو
 شہر کے اکثر نواب خجطی، پاگل، سکی بوڑھے کے لقب

سے اپنی نجی غفلتوں میں یاد کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ حکیم شجاع الدین کی ذات نواب صاحب کے لئے بڑی قیمتی تھی۔ وہ ہر طرح سے انکی دلجوئی کرنے میں کوشاں رہے۔ بدر منیر کے رشتوں کے بارے میں نواب صاحب نے ان سے بھی کئی بار مشورے کئے۔ حکیم صاحب اس سلسلے میں نواب صاحب سے متفق نہ تھے۔ ان کا مشورہ تھا کہ کسی طرح جلد از جلد بدر منیر کو رخصت کر دینا چاہیے۔ جب رشتوں کو مسلسل مسترد کر دیا جاتا ہے۔ تو رشتے آنے بند ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کئی بار نواب صاحب کو سمجھایا کہ انہوں نے بہترین نمکے جو غیر معمولی شرائط اپنے ذہن میں طے کر رکھی ہیں ان میں کسی قدر ترمیم و تبدیلی بھی کی جانی چاہیے لیکن نواب صاحب ہمیشہ یہ کہہ کر انہیں چپ کر دیتے تھے کہ حکیم صاحب! ابھی تودہ بچی ہے۔ ہو جائے گی شادی بھی۔ میں اتنی جلدی اپنی بچی کو خود سے جدا کرنا نہیں چاہتا۔

ادریہ ارجمند بانو بیگم کی موت سے کوئی ڈیڑھ سال بعد کی بات ہے کہ ایک دن صبح بدر منیر اپنی خوابگاہ میں مردہ پائی گئی۔ اس کی موت بھی اپنی ماں کی طرح ہوئی تھی۔ انہیں پھٹی پھٹی سی۔ چہرے پر کھینچاؤ۔ البتہ اس کا لباس تازہ نہیں تھا۔ بس دو ایک جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ رات کو وہ بھی اپنی خوابگاہ میں شادال و فرحان نظر آئی تھی۔ اس نے مثبت برائت کے لئے کینزوں کو ضروری احکام بھی دیئے تھے۔ غم و نیاز کے لئے کھانوں کی تیاری میں اس نے ہاوردیوں کو ہدایت بھی دی تھی۔ لیکن وہ دوسرے دن کا سوزج نہ دیکھ سکی۔

اس صدمے سے نواب صاحب کا جو حال ہوا تھا

وہ ہوا۔ وہ بے حال اور مذہال ہو گئے۔ ان کے عصاب جواب دے گئے۔ وہ بار بار اپنے بالوں کو نوچتے اور حکیم شجاع الدین کا دامن پکڑ پکڑ کر پوچھتے۔ بتائیے حکیم صاحب کہ میں نے آخر کسی کا کیا بگاڑا ہے جو خدا مجھے اتنی کڑی آزمائش میں ڈال رہا ہے۔ حکیم صاحب کے پاس ان کی آہ و بکا اور گریہ و زاری کا کیا جواب تھا۔ ہر شخص حیران تھا کہ بدر منیر کی اچانک موت کا سبب کیا تھا۔ سبھی نے نہیں سمجھا تھا۔ وہی سوالات تھے جو اس کی ماں کی موت پر لوگوں کے ذہنوں میں ابھر رہے تھے۔ کیا نواب صاحب کا کوئی دشمن ہے جو ان کی عزت اور مسرت کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ پھر یہ سب اتنے تواتر اور ترتیب کے ساتھ کیسے ہو گیا؟ اس محل کی عمر اتنی نوعیت بھی اس طرح کی نہیں کہ پرندہ پر مار سکے۔ بدر منیر کا کمرہ بھی بالائی منزل کے اسی چار کمروں میں۔ ایک تھا جو محل کے بڑے دروازے سے خلاصہ پر واقع تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ وہ وقت شجاع الدین نے اپنی بساط کے مطابق اس المٹاگ موت کی وجہ دہی کی جو ہر کوئی کرتا۔ یعنی کوئی گمراہ مذہبیت یا پھر مشیت ایزدی۔ اس زمانے میں پوسٹ مارٹم جیسے جی معائنوں کا رواج نہیں تھا اور پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک نو بزدلی کا جسم نامحرم لوگوں کے سامنے ڈال دیا جائے کہ وہ اس کی قطع و برید کریں۔ نواب صاحب نے اپنے طور پر تمام ملازمین سے پوچھ گچھ کی۔ جن پر شبہ تھا۔ ان پر سوالات کی بوچھاڑ کی گئی۔ نواب صاحب کے عزیزوں اور دوستوں نے سامنے کے ہر پہلو پر غور کیا۔ مگر کوئی معقول وجہ کسی بھی سمجھ میں نہ آ سکی۔ بدر منیر کی خاص کینزوں سے اس کے معمولات سے متعلق سوالات کئے گئے۔ مگر کسی نے کوئی ایسی

①



②



بات نہیں بتائی جو واقعات کی کڑیاں ملانے میں مدد معاون ثابت ہوتی۔ نواب صاحب کی لڑکیاں تو محل سے باہر قدم نہیں رکھتی تھیں۔ زنان خانے میں مخصوص اور لپٹی بہار مول کے علاوہ کوئی داخل ہونے کی جرأت بھی نہیں اچانک کو تو۔ نواب صاحب کی گوشہ نشینی کے بعد ان کی مایخویا، خفہ میں آنا جانا بھی بند کر دیا تھا۔ ڈیڑھ سال میں

وہ دو ایک تقریبات میں ضرور شریک ہوتی تھیں۔ مگر بہت کم وقت کے لئے۔ ان لڑکیوں کا کوئی قریبی عزیز بھی ایسا نہیں تھا۔ جس کے بارے میں کوئی سبب کیا جاسکتا۔ نواب صاحب کے دوستوں نے محل میں آنے والے تمام لوگوں کے بارے میں از سر نو غور کیا۔ مگر کوئی شخص بھی ایسا نہیں نکلا۔ جس پر مزید کسی غور و فکر کی ضرورت پڑتی۔ دربان سے لے کر باورچی تک تمام ملازمین کو ٹولا گیا۔ کہیں بھی کوئی ایسا نکتہ نہیں ملا۔ جہاں اس سنگین واقعے کا کوئی ہلکا سا سراغ بھی ملنے کے امکانات پیدا ہوتے۔

لوگوں نے اس موت کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں۔ خصوصاً ان گھروں میں اس کا زیادہ چرچا رہا۔ جہاں سے بدر منیر کے لئے پیغامات بھیجے گئے تھے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ عشق بدر منیر کی ہلاکت کا سبب ہے۔ کسی نے یہ بھی کہا، کہ نواب کی بیگم اور ان کی حسین لڑکی کو دار کی سالم نہیں تھیں۔ ملازموں کی ایک فوج نواب صاحب کے گھر میں

جلدی امراض کے ماہر
ڈاکٹر کہتے ہیں

ایگزیمول لوشن

داد (ایگزیمیا) خارش، چنبل اور دیگر
جلدی امراض کے لئے
مفید ہے۔

موجود ہے۔ کچھ بھی کسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب بات
مرگت پر پہنچی تو نواب صاحب نے انہیں زہر دے دیا یا
پھر انہوں نے خود اپنے لئے زہر تجویز کر لیا حکیم شجاع الدین
بھی انگلیوں کی زد سے نہ بچ سکے۔ بعض بزرگوں اور
بچے عقیدے کی طور توں کی رائے میں نواب صاحب کا
عمل آئیب زد ہو گیا تھا۔ یہ خبر حبیہ جیسے نواب صاحب
کے کانوں تک بھی پہنچی۔ انہوں نے اس کے تدارک
کے لئے شہر بھر کے جمید عالموں، عالموں اور بزرگوں کو
جمع کیا۔ بھارڈ پھونک کی گئی۔ پنڈت بھی جمع ہوئے اور
اس طرح دل کی تسلی کا کچھ سامان تو ہو گیا۔ مگر وہ راز
دہا چاہک اموات کا راز راز ہی رہا۔ نہ پنڈت کوئی
اطمینان بخش جواب دے سکے اور نہ مولوی حضرات
نواب صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انتہائی
فیاض، خدازس اور رحمدل شخص ہیں۔ ان کے ہاں مفتے
میں ایک دن غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا۔
اور غریب بچیوں کی شادی کے لئے رقم فراہم کی جاتی تھی
ان سے کوئی ایسا واقعہ منسوب نہیں تھا کہ انہوں نے کسی
کادل دکھایا ہو یا کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو۔ پھر ان پر
بہتے حادثات کی وجہ کیا تھی۔ خدا ان سے ناراض کیوں
تھا؟ لوگوں نے بہر حال انہیں سمجھا بھجا کر دل کا بوجھ ہلکا
کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب قدرت کے کارخانے
کا نظام ہے۔ ارجمند بانو بیگم اور بدر منیر کی موت کا ایک
دن، ایک سبب اور ایک وقت مقرر ہو گیا تھا قدرت
کے نظام اور اس کی مصطفیٰ میں کون دخل دے سکتا
ہے۔ کیا یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا کہ ارجمند بانو بیگم
اور بدر منیر ایک ہی قسم کے کسی اجنبی اور لرزہ خیز
احساس سے گزری ہوں۔ ایسے احساس سے جس نے

انہیں مختصر سی دیر کے لئے بالکل پاگل کر دیا اور بعد ازاں
وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ لوگوں نے بہت
سے انہوں نے واقعات کیجا کر کے نواب صاحب کو سنانے
شروع کئے۔ نواب صاحب صبر کر سکتے تھے۔ انہیں
صبر ہی میں پناہ ملی۔

تو یہ تھے وہ علم جو نواب — اقتشام اللہ کی
اداسی کا سبب تھے۔ تین سال گزر چکے تھے۔ ڈیڑھ سال
جو بدر منیر کا حادثہ ہوا تھا۔ اب نواب صاحب کی ایک
ہی لڑکی رہ گئی تھی۔ ماہ مینر۔ نواب صاحب اپنی اس
ایک لڑکی کے لئے بظاہر زندہ تھے اور ویسے کب کے
مر چکے تھے۔ ماہ مینر جو بہو اپنی بہن کی تصویر تھی۔ وہ آج بھی
حسین تھی جتنی بدر منیر۔ اس میں بدر منیر جیسا رنگ اور
بنیاد کی تو نہیں تھی۔ لیکن اس کے حسن میں وہی تابانی اور
درخشاں تھی۔ وہ ایک لاپرواہ، شونہ، معصوم اور محبت
طراز لڑکی تھی۔ اسے رنگوں سے الفت تھی۔ طرح طرح کے
بلور مات پنڈا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ شامراں اور فنکارانہ
مزاج کی دو شیزہ تھی۔ گینروں سے اس کا رویتہ و مستانہ
تھا۔ بدر منیر کے انتقال کے بعد اس نے بھی محل کی ذمہ داریاں
بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں اور اپنے باپ کی
دلجوئی بھی اپنی بڑی بہن کی طرح کی۔ اور وہ بہت جلد
اپنی دلشیں و شیریں گفتگو اور انداز و اطوار سے محل کی
سوگوار فضا کو کسی قدر دور کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ
اپنی خواہشوں کے جبرمٹ میں بہنوں کی طرح رہتی۔ اس
میں برداشت، تحمل اور جبرسنے کی خوبیاں موجود تھیں۔
اسے غموں کو بھولنے کا سلیقہ آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک
سال بعد نواب صاحب نے ماہ مینر کی ضد پر شطرنج کھیلنا

شروع کر دی تھی۔ اور حکیم شجاع الدین کے ساتھ وہ ادھر
 ادھر کے موضوعات پر گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ اب
 ایسا تھا کہ محل میں اکا دکا تقریبات بھی منعقد ہو جاتیں۔
 نواب صاحب نے محل کی فیصل کو اور بچہ کرا لیا تھا
 رات کو کئی دربان تعینات کئے گئے تھے۔ ماہ منیر کو اکیلا
 نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ کمینزوں کا ایک جتنا اس کی نگرانی پر
 مامور تھا۔ گل رخ اس کے ساتھ ہی سوتی تھی۔ وہ ایک
 پڑھی لکھی اور مہذب کمینز تھی۔ رات گئے تک وہ اُسے
 دلچسپ حکایات سناتی، غیر معمولی واقعات، لطیفے اور
 اشعار اسے بڑی تعداد میں یاد دیتے۔ ماہ منیر یہ تمام
 واقعات بڑے اشتیاق و انتہاک سے سنتی تھی۔ جب
 واقعات کا یہ سلسلہ چلا تو بات عشق و رومان اور راز و نیاز
 کے معاملات تک پہنچی۔ گل رخ نے ماہ منیر کو عشق کے
 حیرت انگیز واقعات سنائے۔ اتنے کہ ماہ منیر کا جی خود
 عشق کے لئے مضطرب ہوا تھا۔ اور جب گل رخ اور
 ماہ منیر کے درمیان محبات اور کمینز و نواب زادہ کا کوئی
 پردہ نہ رہا تو ایک دن گل رخ نے اپنی واردات عشق کا
 ایک عجیب انکشاف ماہ منیر سے کر دیا۔ وہ محل کے ایک
 نوجوان دربان نیاز سے محبت کرتی تھی۔ وہ دونوں آپس
 میں موقع پا کر ایک دوسرے سے ملتے بھی تھے۔ گل رخ
 نے کہا۔ ”سرکار! میں آپ سے کیسے کہوں۔ جب کہیں
 بہت دنوں کے بعد کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم رات کو
 چوری چھپے ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو عجیب طرح کا
 نشہ ہوتا ہے۔ ہم باتیں کرنا چاہتے ہیں اور باتیں نہیں
 کر پاتے۔ وہ میرے قریب آتا ہے اور بہت قریب آکر
 مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا ہے۔“

ماہ منیر نے حیرت سے پوچھا۔ ارے تم اس سے

ملتی بھی ہو۔ تم اس سے کیسے ملتی ہو؟

”سرکار میں اس سے کبھی نہیں ملتی۔ مگر ایک رات
 کو اس نے مجھے چپکے سے پکڑ لیا۔ میں بیگم صاحبہ مرحومہ
 کے پاس سے واپس اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ وہاں
 اس وقت کوئی نہیں تھا۔ میرا شرم کے مارے بڑا حال
 تھا۔ سپینہ چھوٹا جا رہا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان
 عرصے سے ایک تعلق ضرور تھا۔ بہر حال جب اس نے
 مجھے کھینچ لیا تو میں کیا کرتی۔ پسح پوچھتے تو میں خود
 اس کی طرف کھینچی جا رہی تھی۔ گل رخ نے شرما شرما کر
 اور لجا لجا کر یہ واقعہ سنایا۔“

”ہائیں! کیا واقعی! تم پسح بول رہی ہو۔ ماہ منیر
 حیرت سے اسے تکیے جا رہی تھی۔“

”سرکار! محبت کی بات ہی کچھ اور ہے۔ آپ نے
 اس کو چومرنگ دبو میں قدم ہی کہاں رکھا ہے۔ ا ف وہ
 لذت! وہ لذت کس طرح بیان کی جائے جو انتظار میں
 ہوتی ہے وہ سرشاری جو محبوب کی آغوش سے نصیب ہوتی
 ہے۔ کوئی اسے بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ
 و نشیمن بھلے جو محبوب کے لبوں سے نکلتے ہیں۔ دینا
 کے حسین ترین حیلے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ معاملہ تو سرسبز
 لذت ہی لذت کا ہے کیفیت ہی کیفیت کا ہے آپ
 یقین کیجئے۔ میں اپنے محبوب کے لئے در بدر کی خاک
 چھان سکتی ہوں اور میرا ایمان ہے کہ وہ میرے لئے
 ساری دنیا کو قربان کر سکتا ہے۔“

ماہ منیر نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔ ”اچھا۔ تم
 اس قدر متاثر ہو اس سے۔ مگر وہ ہے کون۔ ہمیں تو کچھ
 خیال نہیں۔ ہم نے شاید اسے کبھی نہیں دیکھا۔ کیسا وہ
 بہت خوبصورت ہے! ماہ منیر نے اشتیاق آمیز
 سب رنگ و بو

انداز میں پوچھا۔

”وہ مرحوم دادا فرقان علی کا چھوٹا بڑا کاہے۔ آپ کو دادا فرقان علی تو یاد ہوں گے۔ مگر آپ نے اسے کہاں دیکھا ہوگا۔ مجلس میں کس مرد کی رسائی ممکن ہے۔ مگر وہ بہت وجہ اور دلاویز شخصیت رکھتا ہے۔“

گل رخ اسے روز اپنی عہد کا کوئی نہ کوئی واقعہ سناتی۔ ”آج اسے میں نے کس طرح دیکھا۔ آج میں نے کس طرح اس کے لئے شیرینی بھیجی۔ آج اس نے مجھے گلاب کا پھول سامان میں دکھ کر کس طرح روانہ کیا۔“ اور پھر اس نے ایک رات ماہ مینر سے اجازت لے لی کہ وہ اپنے محبوب سے ملنے جا رہی ہے۔ جلد ہی واپس آجائے گی۔ وہ اب رات گئی اور واپس آکر اس نے ملاقات کی تمام تفصیل اسے سنا ڈالی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ

وہ عام طور پر رات کو وہاں سے جانے لگی۔ ماہ مینر کو اس کے معاملات عشق بڑا اشتیاق ہو گیا تھا۔ وہ ان دونوں کے محبت بھرے واقعات سننے کے لئے اسے اجازت دے دیتی۔ گل رخ جب بھی واپس آتی۔ ایک نیا تذکرہ کرتی۔ اس کے محبوب نے اظہار کے مختلف طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ وہ ہر ملاقات میں ایک اور مرحلہ سر کر لیتے۔ گل رخ کار و زرات کو جانا اور آکر ایک نئے انداز سے عشق کا واقعہ سنانا ماہ مینر کے لئے جہاں لذتوں کا سامان فراہم کرتا تھا وہاں اس نے اس کے دل میں ایک عجیب سی فطرت کو بھی جنم دے دیا تھا

اور مجلس محفوظ تھی۔ وہاں صرف دو مردوں کا دلچ تھا۔ نواب احسان اللہ اور حکیم شجاع الدین۔

سفید بالوں کو فوری اور مستقل کالا کرنے کے لئے



کالا کولا
ہیئر کلر

نئی خوشبودار کریم

ڈیڑھ سال اور گزر گیا۔

اور ڈیڑھ سال بعد ایک خوبصورت رات کو جب گل رخ اپنے محبوب سے ملنے گئی ہوئی تھی اور ماہ منیر گہری نیند سو رہی تھی کہ وہ ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھی سامنے کی عراب دارشہ نشین پر اسے ایک سایہ نظر آیا وہ بری طرح چونک اٹھی اور حیرت سے شہ نشین کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں ایک بے حد پر وقار اور دلکش نوجوان شہزادوں کے لباس میں ملبوس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ شہ نشین کی دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ اشتیاق اور چمک تھی ایک اجنبی مرد کو اس طرح اپنی خواب گاہ کی شہ نشین میں دیکھ کر ماہ منیر خوف و دہشت سے کانپ اٹھی۔ اور اس کی گھٹکی بندھ گئی۔ اس نے چیخنا چاہا مگر آواز اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ نوجوان مسکراتا ہوا پیچھے کی طرف مڑا اور شہ نشین سے نیچے اترنے لگا۔ اور ایک لمحے میں وہ ماہ منیر کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ اس واقعے سے بیہوش ہو گئی۔ صبح سے کچھ پہلے جب گل رخ اس کے پاس آئی تو اس نے حسب معمول اسے اپنی آمد سے مطلع کرنا چاہا۔ مگر ماہ منیر بے حد مدھ پڑی تھی۔ گل رخ نے اسے اٹھانے کے لئے زیادہ کوشش بے سود سمجھی۔ اور وہ بھی بستر پر دراز ہو گئی۔

صبح بڑی مشکل سے گل رخ نے ماہ منیر کو اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے دہشت نمایاں تھی اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ گل رخ نے اپنے خاص انداز سے کہا "یقیناً آپ نے کوئی بہت ہی خطرناک خواب

دیکھا ہے۔ میں نے رات کے وقت آپ کو جگانا چاہا۔ مگر آپ آج صلافت معمول نہیں اٹھیں۔ اب بتائیے، مزاج کیسے ہیں۔ ارے آپ بولتی کیوں نہیں۔"

ماہ منیر نے گھگھیا کر خوفزدگی کے عالم میں رات کا پورا واقعہ گل رخ کو سنایا۔ اس واقعے کو سن کر گل رخ نے زور کا ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی: "کیا خوب لگایا اس کمرہ خاص میں آسمان سے ہماری سرکار کے لئے شہزادے اترنے لگے۔ سرکار! اس عمر میں آپ کو ایسے دلکش خواب اور خوب صورت لوگ نظر نہ آئیں گے تو کیا بڑھاپے میں شباب کے میناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ میں نیاز سے ملاقات سے پہلے یہ خواب دیکھتی رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کسی مناسب وقت خواب صاحب سے آپ کے لئے اب گفتگو کرنا ہی پڑے گی۔ کہ جلد ہی وہ اپنی عزیز بلیا کے ہاتھ پہلے کریں۔"

"نہیں نہیں گل رخ! ہم قسم کھا سکتے ہیں۔ یہ خواب نہیں تھا۔ ہم بالکل جاگ گئے تھے۔ ہم نے بنور اس شخص کو دیکھا۔ ہم نے چیخنا چاہا۔ مگر آواز ہمارے حلق میں دب کر رہ گئی۔ ہم نے نہیں پکارنا چاہا۔ مگر ایک لمحے کو ہمیں یہ خیال آیا کہ اس وقت اگر تمہاری تلاش ہوئی تو تم بری طرح پکڑی جاؤ گی نقیہ کر دہم نے اس شخص کو یہاں دیکھا ہے۔ یہ خواب نہیں تھا۔"

ماہ منیر گل رخ سے اصرار کے ساتھ رات کے واقعے کی تمام جزئیات بتاتی رہی۔ اور مگر اس پر بضد رہی کہ اس عمر میں ایسے خواب نوجوان لڑکیوں کو عام طور پر نظر آتے ہیں۔

نہیں۔ تم آج کہیں نہ جانا۔ ہمیں رات کو بہت ڈر لگے گا۔ ہم یہ کیسے تصور کر لیں کہ یہ ہماری بے خوابی کا کرسشہ تھا۔ ماہ مینر نے کہا۔
 میں آپ کے سرانے رہوں گی۔ مگر میری موجودگی سے وہ شہزادہ یقیناً ناراض ہو جائے گا۔ گل رخ نے شرمیلی سے جواب دیا۔

گویا تم اس حیرتناک واقعے کو تسلیم ہی نہیں کر رہیں۔ خیر ہم رات کو دم کر کے سوئیں گے۔ مگر تم ہمارے پاس رہنا۔ ماہ مینر نے بچوں کی طرح ہلر کیا۔ میں یہاں سے کہیں نہ ہوں گی۔ آپ اس قدر خوفزدہ کیوں ہیں۔ دیکھئے تو سہی۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ دربانوں کی نگاہ سے بچتا ہوا کوئی شخص باغِ ادا لے اور راہداریاں عبور کر کے اس بالائی منزل پر پہنچ جاتے اور ہماری شہزادی کو پریشان کرے۔ گل رخ نے کہا۔

دوسری رات کو گل رخ ماہ مینر کے کمرے میں رہی۔ ایک ہفتہ گزر گیا اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ ایک ہفتے کے بعد گل رخ نے بڑی منت سماجت کے بعد ماہ مینر سے اجازت لے لی کہ اس کا محبوب اس سے ملنے کے لئے بے پناہ مضطرب ہے۔ ماہ مینر نے اجازت دے دی اور تاکید کر دی کہ وہ جلد ہی واپس آجائے۔

اس رات کو پھر شہزادہ شہ نشین میں نظر آیا۔ وہی مسکراتا ہوا۔ وجہ چہرہ وہی اعلیٰ درجے کا شان و بکس۔ اس کی نگاہوں کی وہی پراسرار چمک اس کے دیکھنے کا وہی دہانہ انداز۔ اس بار ماہ مینر نے قوت برداشت کا ثبوت دیا۔ اس نے جلدی جلدی

وہ تمام آیات پڑھ لیں جو اسے یاد تھیں۔ وہ خوفزدہ اور حیرت زدہ تھی۔ لیکن اسے وہ اسی عالم میں چھوڑ کر شہ نشین سے نیچے اتر گیا۔ ماہ مینر میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ شہ نشین سے جھانک کر اس شخص کو دیکھتی۔ وہ گل رخ کا بے خیالی سے انتظار کر رہی تھی، اور آنکھیں بند کر کے آیت الکرسی پڑھتی رہی۔ گل رخ اس رات جلد ہی واپس آگئی۔ آتے ہی اس نے کہا۔
 "ارے آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔"
 "ہاں گل رخ۔ آج پھر وہ شخص یہاں آیا تھا۔ ماہ مینر نے معصومیت سے کہا۔

"ادھو ابھی آپ واقعی ان دنوں جذبات سے مغلوب ہیں۔ گل رخ نے بے تکلفی سے کہا۔
 "نہیں گل رخ! ہم تم سے کچھ کہہ رہے ہیں وہ آیا تھا۔ وہ سامنے کھڑا رہا۔ وہ مسکراتا رہا۔ ہم نے آیت الکرسی پڑھی۔ وہ کھڑا رہا اور ہم حیرت و خوف کے عالم میں تھے کہ وہ اس رات کی طرح چلا گیا۔"

گل رخ نے خواب، شباب، جذبات اور ہیجان کے بارے میں پھر ایک تبلیغِ تقریر کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب دائمی ہے۔
 مگر ماہ مینر اسے تسلیم کرتے پر آمادہ نہ ہوئی۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ خواب نہ تھا۔ وہ باوقار شخص سحرانگیز قوتوں کا مالک ہے۔ ماہ مینر اس کی شخصیت اور وجاہت سے خاصی متاثر نظر آتی تھی۔ پھر ان دنوں نے یہ طے کیا کہ اگر واقعی یہ خواب ہے تو اس سے گھبرانے کا کوئی جواز نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو اس شخص کی مزید کسی پیش قدمی کا عزم و ہمت سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

خارج از بحث ہے۔ بہتر ہے کہ رات کو آیت الکرسی پڑھ کر سو یا کھجے۔

اس مہرے میں گل رخ اور نیاز کے تعلقات تعلقات خاص میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ ان سرستیوں کا احوال ماہ مینر کو بڑے ناز و داد کے ساتھ سناتی تھی۔ اسے نواب صاحب کے حکم کی مطابقت ماہ مینر کے پاس بٹھنا پڑتا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ساری رات نیاز دربان کے سپلو میں گزارتی۔

اور ایک رات وہ پھر وارد ہو گیا۔

اس رات وہ بہت دیر تک کھڑا مسکراتا رہا۔ ماہ مینر جو اس کی آہٹ سے جاگ گئی تھی۔ اب اس بات کی عادی ہو چکی تھی۔ مگر اس بار وہ اس کے دیر تک کھڑے رہنے کے سبب غامض پریشان ہوئی اور سوال طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی۔ تم کون ہو اور اس خواب گاہ میں کیسے آ جاتے ہو۔ مگر الفاظ اس کے منہ میں اٹک کر رہ جاتے تھے۔ وہ اس رات زیادہ دیر بٹھرا رہا اور پھر جب معمول چلا گیا۔

صبح کو ماہ مینر نے جب گل رخ سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ کسی قدر حنجرہ کر گئے۔ لیکن آپ اس قدر نڈرہ کیوں ہیں۔ اس سے یہ تو آپ کی خوش قسمتی ہے کہ ایک شہزادہ انڈیا میں آپ کے پاس آسمان سے بھیجا ہے۔ وہ بے چارہ حسرت و یاس سے کھڑا آپ کی جنبش لب کا منتظر رہتا ہے۔ اور آپ ہیں کہ اس سے بولتی بھی نہیں۔ میں کتنی ہوں۔ اگر یہ خواب ہے تو کس قدر انوکھا خواب ہے۔ خواب میں نہ خطرے ہوتے ہیں اور نہ رسوائی کے ڈر۔ خواب کسی کے اگر حسین ہوں تو پھر اور کیا چاہئے۔ خدا کی قسم! آپ اس خوب سے لطف اندوز نہیں



مٹرولس! وہ تو ڈرائنگ روم میں مگر ٹی نوشی سے لکھنا اندوز ہو چکی ہیں

تیسرے چوتھے روز جب گل رخ کمرے میں نہ گئی وہ مسکراتا ہوا شخص پھر ماہ مینر کو نظر آیا اور ایک نظر، ایک بھر پور نظر ماہ مینر کے سر پر ڈالتے ہوئے پہلے کی طرح رخصت ہو گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ جب بھی گل رخ اپنے محبوب سے ملنے جاتی، تھوڑی دیر بعد وہ آدھلکتا، مسکراتا اور چلا جاتا۔ چھ سات مرتبہ اسی طرح آچکا تھا۔ وہ ایک بے ضرر شخص تھا۔ اس نے کوئی پیشقدمی نہیں کی۔ شہ نشین اس کی حد تھی۔ وہ ہر بار اعلیٰ لباس میں ملبوس نظر آیا۔ ہر بار ماہ مینر تردد اور پریشانی سے گل رخ سے اس کا تذکرہ کرتی اور ہر بار وہ اسے واہے کا سبب قرار دیتی۔ وہ کہتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب میں یہاں نہیں ہوتی وہ آ جاتا ہے جب کہ بعض اوقات میں اچانک ہی نیاز سے ملنے چلی جاتی ہوں۔ کسی طے شدہ وقت کے بغیر۔ اسے یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آج میں یہاں نہیں ہوں۔ پھر یہ کہ اس شخص نے شہ نشین سے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے۔ اس لئے کسی الجھن کا سوال ہی

ہو رہی ہیں۔ اسے صاحب آپ اس سے بات کرنے کی
کوشش کیجئے۔ یا اسے موقع دیجئے کہ وہ آپ سے مخاطب
ہونے کی عزت حاصل کر سکے۔

ماہ مینر کو گل رخ کی یہ شرح گفتگو بہت پسند تھی۔
اس نے کہا۔ ”اچھا گل رخ! ہم آج اس سے بات کرنے
کی کوشش کریں گے۔ کہ وہ ہے کون شخص اور اس
خواہگاہ میں داخل ہونے کی گستاخی کیوں کرتا ہے؟۔
یقیناً ہم آج اس سے گفتگو کریں گے۔ اور ہم پوچھیں گے
کہ یہاں اس کی آمد کا مقصد کیا ہے؟“

”ہاں ہاں۔ دیکھئے تا آپ اپنے طور پر خود دل کو
مضبوط کیجئے۔ بہت اور عزم سے کام لیجئے۔“ گل رخ
نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

”ہاں۔ ہم اس سے آج گفتگو کریں گے۔ ہم ضرور
کچھ پوچھیں گے۔ تم آج رات پھر نیاز کے پاس چلی جانا
تمہاری عدم موجودگی میں وہ شخص آئے گا۔ ہم بہت
کر کے اس سے کہیں گے کہ وہ یہاں کیوں آتا ہے۔“ مایئر
نے عزم سے جواب دیا۔

اور اس رات بھی وہ شخص حسب توقع آیا۔ اسی
انداز سے وہ کھڑا رہا اور مسکراتا رہا۔ دیر ہو گئی، مگر
اس نے جانے کا نام نہیں لیا۔ ماہ مینر آج بھی اس سے
ہزار کوشش کے باوجود کچھ کہہ نہ سکی۔ اور نہ پوچھ سکی۔
وہ پھر چلا گیا۔ اور ماہ مینر افسوس کرتی رہی کہ اس نے
آج کیوں اس سے سوالات نہیں کئے۔

اور پھر ایک رات ایسا ہوا کہ گل رخ دربان کے
پاس گئی ہوئی تھی اور ماہ مینر اپنے کمرے میں متصفاد
کیفیتوں کے ہجوم میں اس شخص کی آمد کی منتظر تھی۔ رات

بیتنے لگی۔ اس رات وہ نہیں آیا۔ ماہ مینر کو اس کا نہ آنا
بجیب سا لگا۔ اسے غسوس ہوا جیسے وہ واقعی اس کی
آمد کی منتظر رہی تھی۔ رات کو گل رخ کی دالپی پر اس
نے کہا۔ حیرت ہے آج وہ شخص ادھر نہیں آیا؟

گل رخ نے اپنے خاص انداز میں جواب دیا۔ ”شہزادہ
غالب سرتین عشق ہے۔ بیمار ہو گیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے
وہ آئے گا ضرور۔ ممکن ہے آج ہی رات۔“
اس رات بھی وہ نہیں آیا۔

ماہ مینر زندگی میں پہلی بار کسی انجانی کیفیت سے دوچار
تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ وہ شخص آئے، شاید وہ ہماری
طرف سے پیش قدمی کا طالب ہو۔ ہمیں اس سے بات نہ کر
کرنی چاہئے۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟

اس رات وہ شخص آیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اس
نے مسکرا کر ماہ مینر کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں سائے جہاں
کا اشتیاق، آرزوئیں اور حسرتیں میٹ لایا۔ اس نے ایسی
نظروں سے ماہ مینر کو دیکھا، جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں
دیکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں ہلاکی تاثیر اور ہلاکی کشش
تھی۔ وہ وہیں رہا تو ماہ مینر نے جھکتے جھکتے پوچھنا۔

”آپ کون ہیں اور بار بار یہاں کیوں آتے ہیں؟“
وہ شخص مسکراتا رہا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
ماہ مینر نے پھر کہا۔ ”ہم پوچھتے ہیں آپ کون ہیں اور
یہاں کیسے اور کیوں آتے ہیں۔“

وہ شخص اب کی بنیدہ ہوا۔ وہ بولنا چاہتا کہ ماہ مینر
نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

اس نے بڑے ٹھوس اور پر وقار انداز میں کہا۔
”شکر ہے، آپ کے لب تو کھلے۔ ہماری ریاضت
پر پانی نہیں پھرا۔ اسے خدا تو نے ہماری کسبی۔“ یقیناً آج

ہماری زندگی کا نہیں دن ہے۔“

مگر ہم چوتھے ہیں۔ آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آتے ہیں؟ ماہ منیر نے اسی پر اعتماد لے لیا۔

ہم کون ہیں بکاش ہم بتا سکتے کہ ہم کون ہیں۔ ہم تو آپ ہیں کہ آپ نے ہم سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ ہم آپ سے یوں برکتے تھے۔ مگر ایک بار ہم نے اوہ آپ کی بارگاہ میں درخواست کرنے اور قسمت آزمانے کا ارادہ کر لیا۔ اور آج آپ نے ہمیں اپنی گنت گوئی شیرینی و لطافت سے محفوظ ہونے کا موقع فراہم کر ہی دیا۔ ہم اس پر قادر نہیں کہ اس وقت اپنی مسرت کا اظہار صحیح طور پر کر سکیں۔

مگر آپ نے پھر ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ماہ منیر کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔ وہ اجنبی شخص کے پر شکوہ انداز سے متاثر ہو گئی تھی۔

ہم کون ہیں؟ یہ سوال آپ ہم سے کیوں کرتی ہیں۔ کیا اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ کیا اس عظیم عمارت میں روز رات کو جان خطرے میں ڈال کر آنا اور آپ کے آرام میں مغل ہونے کا کام ایسا نہیں جو خود شہر تک نہ کر سکے۔ ہماری درخواست ہے آپ اس کا جواب طلب نہ کریں۔ ہم آپ کے اسیر ہو چکے ہیں ہمیں بس اتنی اجازت دیجئے کہ ہم روز آپ کو یہاں دیکھنے کی مسرت حاصل کر سکیں۔ یقین کیجئے اس کے سوا ہم آپ سے اور کوئی درخواست نہیں کریں گے۔ اجنبی شخص نے وہیں کھڑے کھڑے پڑا اثر انداز میں کہا۔ ماہ منیر شش و پنج میں پڑی ہوئی تھی کہ کیا جواب دے۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے لئے یہ سب حیرت انگیز اور عجیب تھا۔

اور اسے اسی عالم میں چھوڑ کر اس شخص نے الوداعی سلام کیا۔ اور وہاں سے چلا گیا۔

ماہ منیر رات بھر سو نہ سکی۔ یہ معاملہ قطعی اور مطلقاً گویا وہ عشق کے لئے مطلوب ہے اور اس کا شمار بھی دنیا کی ان آن گنت لڑکیوں میں ہو چکا ہے جو عشق کے عینہ معمولی بکریوں سے گزر رہی ہیں۔ اسے اپنے جسم میں بجلیاں سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

دن بھر وہ سوچتی رہی۔ اس نے اس شخص کے متعلق ہر طرح سے سوچا۔ یقیناً وہ کسی ذی وقار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے انداز میں جو نمکنت اور اس کے لہجے میں جو وقار ہے وہ شہزادوں جیسا ہے۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جو ہر لڑکی کے ذہن میں سب سے پہلے ابھرتا ہے۔ اسے رات کا انتظار تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ آج کی رات وہ اس سے کھل کر بات کرے گی۔ مگر ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ رسوائی بھی اس معاملے میں ہو پڑ سکتی ہے۔ نہیں نہیں اسے پڑ وقار رہنا چاہئے۔ نہ معلوم یہ شخص کون اور کس خاندان سے ہو۔ اسے مزید کسی اقدام سے ابھی روک دینا مناسب ہوگا۔ اگر ابا جان کو اس شخص کی آمد کا پتا چلا تو انہیں کس قدر صدمہ ہوگا۔ یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ خاندان کی عزت پر آنے سے پہلے ہمارے یہاں کی لڑکیاں موت قبول کر لیتی ہیں وہ سوچتی رہی کہ اسے گل رخ کی طرح محبتوں کے صحن میں بے پڑا نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اس میں اور گل رخ میں کیا فرق رہ جائے گا۔ وہ عجیب کش مکش میں مبتلا تھی۔

بہر حال اسے آج رات کوئی فیصلہ کن قدم ضرور اٹھانا تھا۔ رات کو اس نے دانستہ گل رخ کو اپنے

کمرے سے روانہ کر دیا۔ جب چاند شہ لیشین میں روشنی
 بجھنے لگا اصدات تھلملانے لگی تو شہزادہ نمودار ہوا۔ وہ
 جاگ رہی تھی۔ اس نے سب سے پہلے اس کے ہاتھ شہ
 نشین کی مٹھروں پر دیکھے۔ پھر چند ہی لمحوں بعد اسے احساس
 ہوا۔ اس شخص کی مشقت کتنی صبر آزما ہے۔ یہ کام وہی لوگ
 کر سکتے ہیں جو جذلوں سے بری طرح مغلوب ہو گئے ہوں
 سامنے وہ شخص اپنے ہاتھ صاف کر رہا تھا اور مسکرا رہا تھا
 اس کی مخصوص — اور پراختیاد مسکراہٹ اس وقت
 اسے بہت بھلی لگی۔ اس نے جھک کر تسلیات کہی۔
 ماہ منیر اس کا جواب دینا نہ چاہتی تھی۔ مگر تسلیات
 کا جواب نہ دینا اور اس موقع سے بطور ناراضگی گزر جانے
 کا علم بھی اسے نہ تھا۔ اس نے جواب دیا۔

وہ شخص وہیں کھڑے کھڑے گویا ہوا
 ”مجھے یقین ہے آپ نے آج دن بھر میری اخلاقت
 پر غور کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج ہم بہت مسرت انگیز
 خبر سن کر ہی واپس ہوں گے“
 ”مگر — مگر دیکھئے — یہ آپ — آپ“
 ماہ منیر کھل کر گفتگو کرنا چاہتی تھی کہ وہ شخص درمیان میں
 غفل ہو گیا۔

”مگر ہمیں یقین ہے آپ اتنی سنگدل نہیں۔ آپ
 ہمارے ساتھ انصاف ضرور کریں گی۔“

مگر نیٹے تو اس طرح آپ کا یہاں آنا غسل میں
 بغیر اجازت داخل ہونا اور کسی کی خواہگاہ میں آکر اسے پریشان
 کرنا شرفا کا شمار ہے۔ اگر ہمارے ابا جان کو اس بات کا
 پتا چل جائے تو وہ سارا محل سر پر اٹھالیں“

”ہاں واقعی یہ شرفا کا شیوہ نہیں۔ ہمیں اس کا شدت
 سے احساس ہے کہ ہم اس طرح آپ کے ہاں آکر ایک

معزز نواب کی بلند اختر صاحبزادی کے آرام میں غفل ہوتے
 ہیں۔ یقین کیجئے ہم اپنی اس جسارت پر بہت نادام ہیں۔
 مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جہاں عقل و ہوش کی بھی کچھ نہیں
 چلتی۔ دلیل اور اقتدار سے بے نیاز ایک جذبے سے
 ہم مغلوب ہیں۔ خدا را ہم سے مہر دی کیجئے۔ ورنہ ہم کہیں
 کے نہ رہیں گے، شہزادے نے بجز سے کہا۔

”مگر آپ ہیں کون اور یہاں کس طرح آ جاتے ہیں
 ماہ منیر اپنے دل میں طے کئے ہوئے تمام عہد بھول چکی تھی اور
 نوجوان شخص کی باتوں سے اپنے ہاں گداز عسوس کر رہی تھی
 ”آہ کاش ہمیں یوں چھپ چھپ کر پوروں کی طرح
 آنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اگر قند نواب صاحب ہماری
 درخواست قبول کر لیتے؟“

”کیا آپ ابا جان سے مل چکے ہیں؟“ ماہ منیر نے بے تعلقت
 تمام پوچھا۔

”نہیں۔ مگر وہ ہمیں ضرور جانتے ہیں اور بخوبی جانتے
 ہیں۔ انہوں نے ہمیں ابھی تک وہ سعادت نہیں بخشی جو ہماری
 زندگی کا سرمایہ بن جاتی۔“
 ”ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھتے؟“

”ہم نے ان سے ایک نادر چیز طلب کی تھی۔ انہیں ہمیں
 اسے سپرد کرنے میں غالباً تذبذب ہے۔“

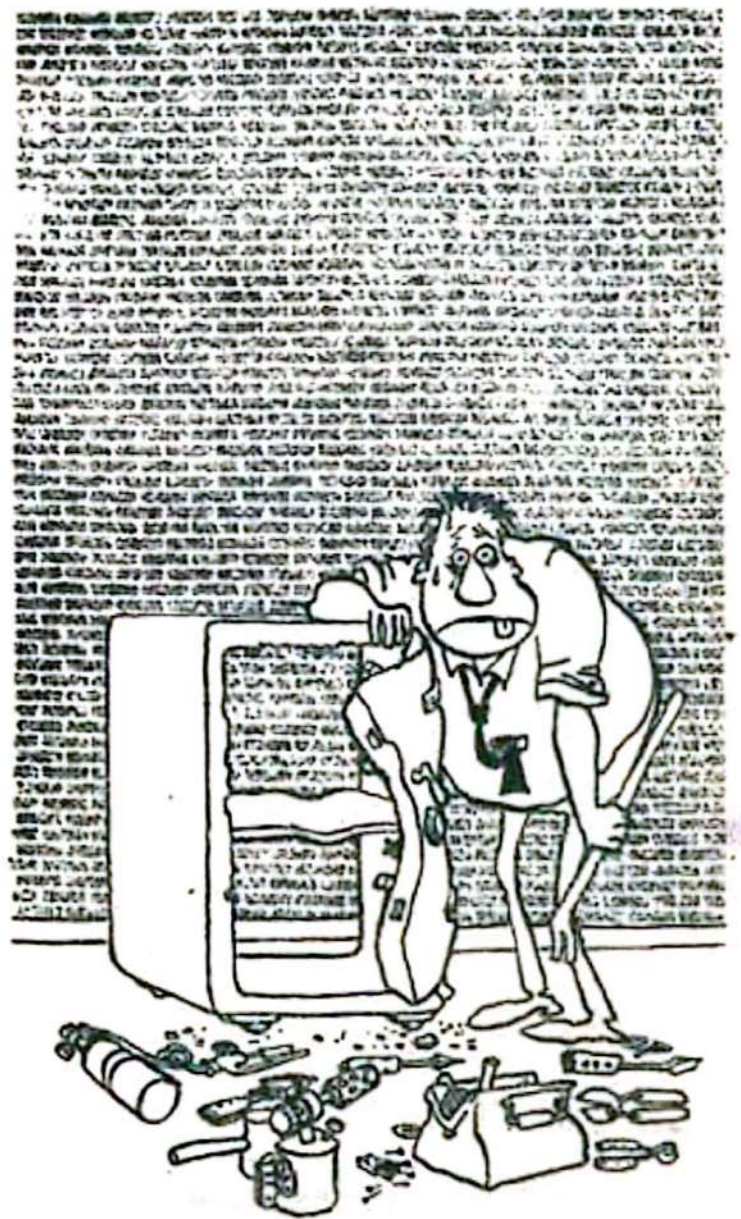
”کیا چیز تھی وہ؟ ابا جان تو ایسے نہیں کہ کوئی ان سے کچھ
 مانگے وہ نہ دیں۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”ہاں ہم نے تو ان کے بارے میں یہی سنا ہے کہ وہ ایک
 خدا ترس، فیاض اور اعلیٰ ظرف نواب ہیں۔ مگر —“

”مگر — کیا — کیا انہوں نے آپ کو مایوس کیا؟“
 ”نہیں انہوں نے ہمیں بالکل مایوس تو نہیں کیا مگر انہوں
 نے کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ اس کو مگر کی کیفیت سے ہماری

بن جائے۔ وہ اس کے بعد کچھ نہیں بول سکی۔

وہ شخص سرد آہیں بھرتا ہوا ہوا اور یہ سب عجیب انداز میں ہوا، ہم فقور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ہمارے اندر کرب پہنے اور جذبے محسوس کرنے کی اتنی بڑی صلاحیت ہے۔ ہم ان تمام چیزوں سے نا آشنا تھے۔ ہم نے ایسے واقعات محسوس کیے یا پڑھے تھے۔ اور ہمارا خیال تھا کہ یہ تمام افسانے فلوپنڈ اور یوں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ نہ ہمیں شعر میں پہناں وہ درد محسوس ہوتا تھا، شدت سے محسوس کرنے کے بعد شعرا جس کا اظہار کرتے ہیں نہ ہمیں موسیقی کے زیر دہم میں کیفیتوں کے صفات اور سچے اظہار کا پتا چلتا تھا۔ مگر ہمیں اب معلوم ہوا کہ اب ہم پر سب کچھ گزرتی ہے۔ ہم نے آپ کو صرف ایک بار دیکھا تھا، ہاں سنا ضرور تھا۔ آپ کے باب میں خدا نے اپنی صفائی کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ ہمیں آپ کو دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ پھر ہم نے نواب شوکت علی کی صاحبزادی کی تقریب میں کسی طرح آپ کو دیکھ لیا۔ یقین کیجئے۔ اس دن کے بعد سے ہم نے طے کر لیا کہ ہم ساری دنیا کی مشقتیں اٹھا کر آپ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم نے نواب صاحب سے درخواست کی۔ نواب صاحب کی جھجک سے اندازہ ہوا کہ انہیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ پس ہمیں جب اس کا احساس ہوا تو جو کچھ ہم پر بنی وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ ہم نے عزم کیا کہ ہم آپ سے خود التجا کریں گے، محل میں انٹر و سٹوچ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہ نکالنا ہم نے نواب صاحب قبلہ سے قریب آنے کی کوشش کی مگر وہ المناک حادثوں کی وجہ سے دنیا سے تنگ آچکے ہیں ان دنوں ہماری رسائی نہ ہو سکی۔ ہم نے یہی سوچا کہ اب ہمیں اپنی خاندانی عزت اور وجاہت طاق پر رکھ کر اپنے مژدہ جڑوں کا کہا ماننا چاہئے۔ اور



زندگی تخیلوں بے آرامیوں اور محرومیوں کی نذر ہو کر رہ گئی ہے۔
ماہ میر کی اب کچھ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔
"اباجان سے آخر آپ نے ایسی کونسی چیز طلب کی تھی
جو وہ آپ کو نہ دے سکے۔ اور جس نے آپ کو بے آرام کیا"
ہم نے آپ کو طلب کیا تھا، زوجان کا لہجہ کرب انگیز
تھا۔ ماہ میر خاموش ہو گئی اسے خیال آیا کہ گزشتہ چند
ماہ سے اس کے پیغامات اور ان کے استرداد کا جو سلسلہ
جاری ہے یہ شخص ابھی میں سے ایک ہے۔ یہ چیز منکشف
ہونے پر اسے اس شخص سے خوف کا احساس ہوا۔ وہ اس
بے باکی پر شرم محسوس کر رہی تھی۔ وہ شخص اس کے سامنے کھڑا
ہے جو ممکن ہے۔ نواب صاحب کی جنبش لب پر اس کا شوہر

ایک بڑا خطرہ مول لینا ہی چاہیے۔ نہ جانے یہ سب ہم سے کیسے ہو گیا۔

”آپ سن رہی ہیں نا؟“ نوجوان شخص نے اپنی تاثر انگیز گفتگو میں وقفہ دیا۔

”مگر آپ خاموش کیوں ہو گئیں۔ سینے غور سے سنئے۔ ہم کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ کے سینے میں دل ہو تو سنئے آپ کے ہاں احساس ہو تو ہماری روداد پر توجہ دیجئے۔“

یہ ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو خاندانی عظمت و جلال میں کسی سے کم نہیں جس کے ہاں اقدار اور دایات کی اتنی ہی شدت سے پابندی کی جاتی ہے جتنی بلند مرتبت نواب افشار اللہ خاں کے ہاں۔ مگر وہ نواب زادہ اپنی تمام شوکت و حشمت کے باوجود اس قدر نیچے آگیا ہے کہ

رات گئے کسی شریف نواب کے محل میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ذلت قبول کرے۔ تو سینے ہم آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ذرا سی چونک ہماری گردن اس محل کے نگہبانوں کی نواہوں کی زد میں آسکتی ہے۔ لیکن جذبہ صادق ہوں اور عزم پختہ ہو تو سامنے کی ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ ہم دروازوں کی آنکھوں میں دھول بھونکا کر جتنی دیوار سے آپ کے پاس آہی جاتے ہیں۔ تو آپ نے سنا ہم کون ہیں؟ کیا آپ اس اذیت کا احساس کر سکتی ہیں جو اتنے دنوں تک آپ کی خاموشی سے ہم نے سہی ہے۔ بتائیے کیا آپ اب بھی ہماری ریاضتوں سے متاثر نہ ہوں گی؟

ماہ میر خاموشی سے گردن جھکائے اس کی باتیں توجہ سے سنتی رہی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ داستان تو گل رخ کی زبانی سنی ہوئی تمام داستانوں سے زیادہ شدید ہے۔ وہ بہت کچھ سوچتی

رہی۔ اس وقت اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ کیا کہے غالباً نوجوان اس کی اس کیفیت کو جانپ گیا۔ اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے آج میں نے آپ کو خاصا پریشان کیا ہے۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔ میں کل پھر آؤں گا اور مجھے اعتماد ہے کل آپ مجھے اجنبی نہ سمجھیں گی۔ ہاں میرا ذکر بہتر ہو گا اگر آپ کسی سے نہ کریں۔ ذکر سے رسوائی کا احتمال ہے اور رسوائی موت کے برابر ہوتی ہے۔“

اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اسے الوداعی سلام کر رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو اسے نیند نہیں آئی۔ اس رات وہ بالکل نہ سو سکی۔ گل رخ سے اس نے اس طویل گفتگو کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس سے بھوٹ بولا کہ آج دشمن آ یا ہی نہیں تھا۔

دن اس کا ذہنی الجھن میں گزرا وہ کھوٹی کھوٹی سی رہی۔ گل رخ نے کئی بار اسے چونکا یا۔ وہ چہر رات کی منتظر تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ آج دن کچھ طویل ہو گیا ہے۔ رات کا کھانا بھی اس سے ٹھیک طرح نہیں کھایا گیا۔ خدا خدا کر کے وہ اپنے کمرے میں آئی۔ گل رخ اس کے ساتھ تھی اور نیاز کے دلچسپ واقعات سناتے میں حسب دستور مدد دیت تھی۔ مگر آج اسے گل رخ کی باتوں میں لطف نہیں آ رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد گل رخ کو کمرے سے نکال دینا چاہتی تھی۔ اور رات ابھی بھیک نہ تھی۔ گل رخ کے جانے کا وقت آیا تو اس نے دروازہ ابھی طرح سے بند کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے گل رخ باہر سے خود کھنی لگا کر جایا کرتی تھی۔ پھر وہ پٹنگ پر بیٹھی شہ نشین کی طرف دیکھنے لگی۔ یکایک اسے کچھ خیال آیا۔ وہ آئینے کی طرف لپکی۔ وہ خود کو بہت حسین لگی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے بالوں کو درست کیا۔ دوپٹے کو ماتھے تک لے آئی اور پھر شہ نشین کی طرف دیکھنے

گئی۔ لمحہ لمحہ اس پھر گراں گزر رہا تھا۔ پھر اسے شہ نشین کی
 طرہ سے خوشبو کا ایک دلوں کا جھونکا عسوس ہوا اس کا
 دل دھڑکنے لگا۔ شہ نشین پر ایک ہاتھ اسے نظر آیا۔ پھر
 دونوں ہاتھ اور پھر وہی نواب زادہ۔ وہ مسکراتا ہوا دیاں
 ابھرا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ آتے ہی
 اس نے تسلیات کہی۔

ماہ منیر نے جرات کر کے اپنا ہاتھ اڈا لیا۔
 ”خوب۔ خدا کی قسم ہم نے آپ کو فتح کر لیا۔ ہم نے
 خدا سے بہت نادر چیز مانگی تھی۔ اس نے ہمیں وہ دیدی
 وہ ہم پر بہت مہربان ہے۔ یہ رات ہماری زندگی کی یادگار
 رات ہے۔“ وہ وارنگی سے بولا۔

ماہ منیر کا جی چاہا کہ وہ اسے اندر آئے کو بچے۔ مگر وہ
 کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ خاموش رہی۔ نوجوان نے پھر پیش قدمی کی۔
 ”اب ہمیں یقین ہے نواب صاحب ہمیں مسترد نہیں
 کریں گے۔ ہمیں آپ کا اعتماد درکار تھا سو وہ ہم نے حاصل
 کر لیا۔ اب ہم آپ کو یہاں سے لے جائیں گے۔ کیونکہ آپ
 ہمارے ساتھ چلیں گی نا۔“
 ماہ منیر کا دل دھڑکتا رہا۔

وہ کہنے لگا ”کیا ہم شہ نشین کی حد سے نکلنے کی جرات
 کر سکتے ہیں۔ پھر وہ کسی جواب کے انتظار کے بغیر اندر آئے لگا
 ماہ منیر کا جسم لرز گیا۔ وہ قریب آ رہا تھا تو اسے ایسا معلوم ہوتا
 تھا کہ طبیعت ترین خوشبو تیں اس کے قریب آ رہی ہیں۔ وہ ماہ منیر
 سے کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔

”آپ بیٹھ جاتیے“ ماہ منیر نے اسے سامنے کی آرام کر کی
 کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
 ”شکریہ اس نے شائستگی سے کہا۔ وہ اس کے بائیں
 مقابل بیٹھ گیا۔ گو ہم آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کی تاب

نہیں رکھتے۔ تاہم آپ کے حکم کی سرتابی کی مجال نہیں۔ آپ
 واقعی کس قدر حسین ہیں۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں۔“

وہ بہت دیر تک دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ اس نے
 اپنا نام انظم بتایا اور کہا کہ وہ نواب محرم علی کا بیٹا ہے۔ اس کی
 باتوں سے پتا چلا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اس کا ہاتھ بہت
 تیز ہے۔ وہ بہت حساس اور ذہین ہے۔ اسے شائستگی اور
 مہذب گفتگو کرنے کا فن آتا ہے۔ اس کی آواز میں بلا کا تاثر
 تھا۔ وہ لہجے کو ایسے نشیب و فراز سے گزارا کہ آواز میں نرمی
 جلال عظمت اور گفتگو عسوس ہوتی تھی وہ سحر ابیاں لٹا کر
 تھا اور ماہ منیر اس کے سامنے شرماتی ہوئی۔ بیٹھی حیرت سے
 اس کے نطق کی جادو بیانی سے متاثر ہو رہی تھی۔

اس رات جب وہ گیا تو ماہ منیر نے اسے اذرا رکھا
 اگلی رات کو اس نے اور کھل کر گفتگو کی۔ ادھر ادھر کے
 قصے۔ ماہ منیر کے لئے اپنی یادوں کی شدت کا احوال۔ اپنے
 انتظار کے پر شوق بیانات۔ وہ کہتا رہا اور وہ سنتی رہی
 رات جانے لگی تو وہ بھی چلا گیا۔ دن بھر ماہ منیر کا چہرہ سرخ
 رہا۔ وہ شوخیاں کرتی۔ لگاتی اور مسکراتی رہی۔ گل رخ نے اس
 تبدیلی کا سبب پوچھا تو وہ ٹال گئی۔ اسے اس راز سے لذت
 سی عسوس ہوتی۔

اور وہ آتا رہا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر انظم نے
 اسے مکمل طور پر مسحور کر دیا۔ وہ روز آتا۔ روز گل رخ باہر چل
 جاتی۔ روز ماہ منیر شہ نشین کے سامنے بیٹھی انتظار کرتی رہتی۔
 اجنبیت کی دیواریں روز گرتیں اور روز وہ ایک نیا غرض
 پھیر کر اس پر سیر حاصل بحث کرتا۔ ماہ منیر دنیا کے بارے
 میں اس کی معلومات پر دلگتھی۔ کبھی وہ فلسفہ عشق
 پر گفتگو کرتا کبھی لذت حیات پر۔ کبھی شوق کی شدتوں کے
 بارے میں عموکلام ہوتا تو کبھی اس پر اداس باتیں کرنے کا



دورہ پڑتا۔ اور وہ اداس باتیں کرتا۔ پھر ایک دن اس نے
ہمگے بڑھ کر اعتماد سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ماہ مینر کو غسوس ہوا
جیسے اس کا سارا بدن جلنے لگا ہو۔ اب وہ اس قدر مفتوح
و مغلوب ہو چکی تھی کہ اپنا ہاتھ کھینچنے کی جرات بھی اس میں
نہیں ہو گئی تھی۔

راتیں گزرتی گئیں۔

وہ قریب آتا گیا۔

اور ایک دن وہ بجائے آرام کر سہی پر دراز ہونے کے
ماہ مینر کے قریب بیٹھ گیا وہ سمٹ کر دوہری ہو گئی۔ وہ جذبات
پیچھے میں کہنے لگا۔ اب آپ سے دوری نہیں برداشت نہیں
ہم دن بھر الجھے رہتے ہیں۔ رات کو یہاں آنے کے لئے
ہمیں دن کا ہٹا دو بھر ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے اب ہم
نواب صاحب سے دوبارہ اصرار کریں گے۔ آپ سے قریب
ہو کر ہمارا اضطراب دور ہو گیا ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کی

گردن میں اپنی ہاتھیں محافل کر دیں۔ کوئی اجنبی مرد زندگی میں پہلی بار
ماہ مینر سے اس قدر قریب آیا تھا۔ بڑی خشک سے اس نے سمٹ
سمٹا کر خود کو اعظم کی ہاتھوں سے آزاد کرایا۔ اس کا چہرہ سرخ
ہو گیا۔ اور اس کا سانس اکھڑنے لگا۔ اعظم نے ہر قیمت دل بہان
کے موضوع پر راز دارانہ انداز میں کچھ سرگوشیاں کیں۔

اس نے لہجہ جرات کی وہ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوا
خصمت ہو گیا۔ اور ماہ مینر کے ہاتھ کا ادھری حصہ اس کے لبوں
کے من سے جیسے سن ہو گیا۔ اسے اس کے جانے کا پتا نہیں چلا
ویر تک وہ اپنے ہاتھ میں اس کے لبوں کا لمس غسوس کر رہی
روز آتا اس کا معمول بن گیا۔ وہ آتا ہوا اس کی گردن میں
ہاتھیں محافل کر کے اسے قریب، قریب تر کرنا رہا۔

اس طرح سے دو تین جگہوں سے ماہ مینر کے اور پہاں آئے
گل منہ نے یہ خبر ماہ مینر کو سنائی۔ اسمیں اعظم کا نام نہیں تھا۔
جب ماہ مینر نے ان رشتوں کے بارے میں سنا تو اس نے

مگر رخ کو تاکید کی کہ کسی طرح ابا جان کو یہ باور کرا دو کہ ہم ابھی ان سے علیحدہ ہونے کا قصد ہی نہیں کر سکتے اور جیسے جیسے رشتوں کا ذکر آئے ہمیں احسنا دیتی رہو۔

رات کو اعظم آیا تو اس نے اشارۃً ان رشتوں کا تذکرہ کیا۔

اعظم نے اس کے قریب آکر اسے اپنے بازوؤں میں سیٹ لیا اور اعتماد سے کہنے لگا: ہم آپ کو ایسے تو نہیں بھڑکتے۔ ہمیں جلد ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔

اس نے جذبات میں کہا یقین کیجئے۔ اب میں چونکہ آپ کی قربت کا اعتماد حاصل ہے اس لئے کوئی آپ کو ہم سے جدا نہیں کر سکتا۔ برآمدے پر تھے لیجے میں سرگوشیاں کرتے ہوئے اس نے اسے اپنے بازوؤں پر گرایا۔

ہم سمجھتے ہیں آپ ہمارے لئے اور ہم آپ کے لئے ہیں۔ ہمیں یہاں تنازع اور اذیخ کا خیال آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نہ جانے کب سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ سے بکھر گئے تھے پھر مل گئے۔ ازل سے ہمارے رشتے باہم پرستہ والبتہ ہیں۔ ات اس کرب کا اندازہ تو کیجئے جو خدا نخواستہ آپ سے جدائی پر ہمیں ہوگا۔ ہم تو رست کو ہی ترجیح دیں گے۔

ماہ میر نے بے اختیار اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ کہنے لگا۔

مگر ایسا نہیں ہو گا تا، ہم اس وقت کو آنے ہی کیوں دیں گے؟

اس نے اسے اپنے سینے سے چمکایا۔ ماہ میر کسمائی اس نے اپنا منہ اور تنگ کر لیا اور وہ دیرانہ وار اس کے مریں ہاتھوں کو چومنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا: ہم آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ پھر اس نے اس کے لبوں پر اپنے منہ کی پہلی مہر ثبت

کر دی۔ ماہ میر کے جسم میں دھندلہ سا پیدا ہو گیا۔ وہ بے حال ہوتی جا رہی تھی۔ اور وہ جذبات میں سرسبز و باہوا نظر آتا تھا۔ وہ اسے دنیا کے حسین ترین القاب سے پکار رہا تھا۔ پھر وہ اسے عالم بیجان میں بھڑک کر چلا گیا۔ یہ کیفیت ماہ میر کے لئے بالکل نئی تھی۔ سارا دن اس کا بدن جھٹکا۔ اس کے لب حرقہ کرتے رہے اور اس کے مہتابی رخسار دھکتے رہے۔

تین مہینے اسی طرح گزر گئے۔

تین ماہ میں وہ ایک دوسرے کے بے حد قریب آ گئے وہ دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کی آغوش میں بیٹھے ہوئے دنیا کی لطیف ترین باتیں کرتے رہے۔ وہ اس پر یکتا ہوئی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ جکڑ لیتا۔ رات گئے تک وہ اس کے سینے سے سر لگائے لیٹی رہتی۔ اور اس کے خوبصورت و قریب لطیفوں پر ہنستی رہتی۔ فاصلے ختم ہوتے گئے۔ وہ ایک دوسرے میں سمٹے رہے۔ اس کا نرم دھڑک بدن دن بھر اس کی آغوش میں سمٹنے کے لئے مضطرب رہتا۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ گل رخ جب بھی واپس آتی اس کے جانے کے بعد آتی۔ اب نیا زاد گل رخ کی باتوں میں اسے کوئی کشش محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس نے جو کچھ محسوس کیا تھا وہ نیا زاد گل رخ کی دلکش طاقتوں سے کہیں زیادہ دلکش تھا۔ شباب و شوق کے کچھ آداب ہوتے ہیں اس کے ہونے کے کچھ سینے اور کچھ طور ہوتے ہیں۔ اعظم میں جوش عشق کے ساتھ انہار میں ایک ناقابل بیان انفرادیت تھی۔ وہ گل رخ کے واقعات سن کر دل میں ہنستی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس سے سب کچھ کہہ دے کہ دیکھو محبت اسے کہتے ہیں۔ اس طرح کی جاتی ہے محبت۔

مگر اعظم نے اسے تاکید کر دی تھی کہ اخفا محبت کی شرط اولین ہے۔ اخفا میں احساس فزوں تر ہوتا ہے۔ سودہ عشق

کرتی تھی۔ اور ان تین مہینوں میں اسے زندگی کے عجیب و غریب سرسٹ و شاداب احساسات سے گزرنا پڑا۔ ان تین مہینوں میں محل کے لوگوں نے اس میں بڑی تبدیلی محسوس کی۔ وہ شوح جذباتی اور صندی ہو گئی تھی۔ وہ دن بھر محل بھر میں قیامتیں برپا کرتی رہتی۔ کبھی اس کو چھیڑ۔ کبھی اکر۔

اور ایک رات ایسا ہوا کہ اعظم نہیں آیا۔ ساری رات اس نے کرب میں گزاری۔

اتنا ہوا کہ وہ اعظم کے انتظام میں بیمار ہو گئی۔ اعظم نے آنا اچانک بند کر دیا تھا۔ وہ اداس غلگن اور خاموش خاموش رہنے لگی۔ وہ کسی سے اپنا غم کہہ بھی نہ سکتی تھی کہ اس کا رازدار کوئی نہ تھا۔ وہ دن بھر اپنے کمرے میں پڑی سسکتی رہتی اور خاماؤں کو بری طرح جھڑک دیتی۔

ایک مہینہ دو ہفتے۔ تین ہفتے۔ اعظم کے انتظار میں اسے دو ماہ گزر گئے۔ بہت سے رشتے حسب معمول اس عرصے میں آئے مگر ان میں سے کوئی اعظم کا نہیں تھا۔ محل کی ساری کنیزی اس کی تبدیلی سے حیران و پریشان تھیں۔ خود نواب صاحب نشرویش میں تھے کہ ان کی عزیز بٹیا کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔ وہ کمزور اور زرد و مہوتی جا رہی تھی۔ حکیم شجاع الدین نے جب اس کا یہ حال دیکھا تو باقاعدہ علاج شروع کر دیا۔

ماہ میر کی صحت میں حکیم صاحب کی ہر وقت کی دیکھ بھال سے کوئی افادہ نہ ہو سکا۔ وہ روز بروز کمزور ہوتی گئی۔

وہ ساری رات جاگ کر اعظم کا انتظار کیا کرتی۔ اعظم اس کے بعد کبھی نظر نہیں آیا۔ وہ سوچوں میں غرق رہتی اور اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتی۔ اعظم کو کیا ہو گیا۔ کہیں وہ بیمار تو نہیں۔ کہیں دروازوں نے انہیں دیکھ نہ لیا ہو۔ یقیناً کوئی بات ہو گئی ہے۔ کوئی بہت ہی اہم بات۔ وہ اپنی جان پر

کھیل کر یہاں آتے تھے۔ ان کے انداز میں جو دار فلتی تھی۔ وہ ایسی تو نہ تھی کہ وہ ہم سے جدا ہو جائیں۔ پھر انہیں کیا ہو گیا۔ کہیں وہ..... وہ یہی سوچتی رہتی مگر اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ اعظم کے نہ آنے کے تمام اسباب پر اس نے غور کیا۔ پھر اس نے سوچا۔ ممکن ہے آخری دنوں میں ان پر میرا خلط تاثر قائم ہو گیا ہو۔ وہ ایک شائستہ اور منفرد قسم کے شخص تھے۔ یقیناً آداب محبت میں کہیں ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ ہم نے محبت بھی کچھ زیادہ ہی کی تھی۔ مگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو کیا اعظم کی سحرانگیز شخصیت میں اقتدار کے تمام دباؤ کو اتنی جلد نہ ختم کر دیتی۔ کاش ہم نے پہلے ہی یہ قدم اٹھالیا ہوتا تو عشق کے یہ ازیت ناک دن نہ گزارنے پڑتے۔ وہ مرنا چاہتی تھی۔ کہ اب زندگی میں اسے کوئی جاذبیت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اعظم کی آمد سے وہ اب مایوس ہو چکی تھی۔ اور اب چار ماہ گزر چکے تھے۔

نواب احتشام اللہ اپنی لڑکی کی اس کیفیت پر حیران تھے انہوں نے حکیم شجاع الدین سے مرض کی اصل وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی حکیم صاحب انہیں مختلف امراض بتاتے رہے اور انہماک سے علاج کرتے رہے۔ مگر جب بات حکیم صاحب کے قابو سے باہر نکل گئی تو انہیں نواب صاحب سے گردن جھکا کر یہ کہنا ہی پڑا۔ "ماہ میر چار ماہ کے حمل سے ہے۔"

نواب احتشام اللہ نے اپنی زندگی کا سب سے ذلت آمیز لمحہ سنا تھا۔ ان کی آنکھوں تلے آنکھیں چھپ گیا۔ وہ چند لمحوں کے لئے سکتے میں چرگئے اور پھر انگوں کی طرح اٹھ کر حکیم شجاع الدین کے گریباں سے الجھ گئے۔ حکیم صاحب خاموش کمرے تھے نواب صاحب نے ان کا سینہ کوٹ ڈالا۔ وہ ہڈیاں انداز میں پیچنے لگے وہ کہہ رہے تھے "حکیم صاحب آپ ہمارے

• میں نے اپنے طور پر کوشش کرنے اور ناکام ہونے کے بعد یہ خبر آپ کو سنائی ہے۔ میں نے اس پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا کہ ہماری معصوم بیبا حالت ہے۔ مجھے بھی جیب یہ معلوم ہوا تو آپ کی طرح میں خور سے الجھ گیا تھا۔ مگر جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا ہمیں اس معاملے میں نزاکتوں کا پورا خیال رکھنا ہو گا اور نئے صبر سے غور کرنا ہو گا۔ کہ اس نفل اور اس خاندان سے کون شخص ناراض ہے اور ہماری عزت کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس بار آپ اسے خاموشی سے نہیں مال سکتے۔ پچھلے دو حادثوں کے بعد یہ حادثہ میرا خیال ہے پرانے سلسلے کی ایک کردی ہے اور خطرناک حادثات بھی مستقبل میں ممکن ہو سکتے ہیں۔

• اب اور کیا خطرناک حادثات ہوں گے؟ نواب صاحب درمیان میں ٹسکتے بیٹھے میں بولے۔

اس سے زیادہ بھی خطرناک حکیم صاحب نے پرسکون انداز میں کہا۔ "بلاشبہ یہ رسوائی بیگم صاحبہ اور بدرمیر کے انتقال سے زیادہ المناک ہے لیکن یہ سب اتنے قوت کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں۔ میری گزارش ہے کہ آپ یہ سب کچھ بخیرگی اور سکون سے سنیں۔"

نواب صاحب نے گردن تھکالی اور حکیم صاحب نے نہایت سکون سے کہنا شروع کیا۔

• بات وہ نہیں جو ہم اب تک سمجھتے رہے ہیں۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بیبا کی سازش کا شکار ہو چکی ہے تو میں نے باقاعدہ اس کی تحقیقات کی اور اپنے طور پر یہ کوشش کی کہ یہ عمل ساقط ہو جائے۔ مگر مجھے بعد میں پتہ چلا اس وقت اسقاط سے ماہ میر کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ میں نے تمام کنیزوں، دربانوں اور محل کے ہر شخص سے جو کہی

①



②



منہ پر چھانچے مار رہے ہیں۔ آپ ہمارے صبر کا کیوں امتحان لے رہے ہیں۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہے تھے۔ انہوں نے غیض و غضب کے عالم میں حکیم شجاع الدین کا گریبان پھاڑ ڈالا وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگے اور مڑھال ہو کر حکیم صاحب کے قدموں میں گر پڑے۔ حکیم شجاع الدین نے انہیں شفقت سے اٹھایا اور آرام کرسی پر دراز کر دیا۔

نواب صاحب کی الم انگیز سسکیاں جاری تھیں جب وہ بہت دیر تک روتے رہے تو اچانک انہیں خیال آیا۔ انہوں نے پوچھا "مگر یہ سب کیونکر ہوا؟"

حکیم شجاع الدین ان الفاظ کو دھونڈنے لگے جو اس نازک موقع پر نواب صاحب کے اشتغال کو کم سے کم کر دیں

نہ کسی صورت سے متعلق ہو سکتا ہے، پوچھ گچھ کی صورت پر ہے کہ.....

حکیم صاحب نے تحمل اور ٹھہری ہوئی آوازیں وہ تمام واقعہ نواب احتشام اللہ کو سنایا۔ نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں وہ حکیم صاحب کے سرد لہجے سے خاصے پرسکون ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا، مگر حکیم صاحب، ہمارے علم میں اس شہر میں کوئی ایسا نواب نہیں جس کا نام مکرم علی ہو اور اس کے صاحبزادے انظم کا رشتہ ہمارے ہاں آیا ہو۔

اصل میں اس مسئلے پر غور نہیں کر رہا، یہ بات بعد میں سوچنے کی ہے۔ میں نے تو اس نکتے پر غور کیا ہے کہ کیا اس محل کی بالائی منزل پر واقع عکسراہ میں روزرات کو اتنی دیدہ دلیری سے آنا ممکن ہے یا نہیں۔ درمیان میں وسیع دیرین باغ، اونچی تفصیل، ملازموں کے مکانات اور ایک پوری آبادی اس محل میں موجود ہے۔ یہ کام بظاہر کسی نواب زادے کا نہیں معلوم ہوتا۔ اب رہی محل میں کسی سازش کے تحت رسائی، تو اس کا امکان یوں نظر نہیں آتا کہ میں نے ہر شخص اس کی سرور قیادت، محل سے باہر کے لوگوں سے اس کے تعلقات کے متعلق پوری تفتیش کی ہے۔ میں نے گل رخ اور نیاز کورات گئے ایک ساتھ دیکھا اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ ان میں بھی کوئی بات ایسی سننے کو نہیں ملی جو شبہ کا سبب بنتی ہیں۔ اس شہ نشین پر چڑھنے کی کوشش کی اور ناکام ہو گیا یہ کام تو کسی پختہ کار رہزن یا غیر معمولی طاقت رکھنے والے شخص کا ہی ہو سکتا ہے۔ وہ شخص کون ہے؟ یہ جاننے میں میں ابھی کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ شہر اور گرد و نواح کے نوابین کے متعلق ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ میں نے آئے ہوئے تمام پیغامات کے بارے میں بھی سوچا اور خود ان نوابین کے

صاحبزادگان سے ملاقات کی۔ مجھے ان میں سے کوئی اس جرات کا حامل نظر نہیں آیا۔

نواب صاحب نے سرد آہیں بھری، مگر اب آپ نے کیا سوچا ہے؟ وہ بہت کمزور نظر آ رہے تھے۔ ہاں آپ نے خاص بات پر چھی اور مجھے مسرت ہے کہ آپ نے ردائی غضب کے بجائے اس معاملے میں بردباری اور تحمل کا رویہ اختیار کیا ہے۔ احتشام بھائی یقین کیجئے اس خبر سے مجھ پر جو غم گزرے ہیں وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر معاملہ ایسا ہے کہ اس میں کھل کر کسی سے کوئی گفتگو بھی تو نہیں کی جاسکتی۔ جیسا سے تو ہم بات ہی نہیں کر سکتے تھے وہ تو بہت معصوم ہے۔ سچ پوچھئے تو اسے اپنی معصومیت کی سزا ملی ہے۔ ذرا سوچئے کہ اس کے ذہن میں کس قیامت کا انتشار پیدا ہو گا۔

نواب صاحب چونکے، کیسی ہے وہ؟

وہ بظاہر ٹھیک ہے۔ میں نے اس کا راز دار بننے کی کوشش کی چھوڑوں کو ایسے موقعوں پر بڑوں کی شفقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ میرے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہنے لگی، چچا جان آپ ہمیں معاف کر دیجئے ہم قسم کھاتے ہیں ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے اسے تسلی دی اور آئندہ اس ظالم شخص کی آمد سے مطلع کرنے کو کہا۔ مگر وہ دوبارہ آتا اور...

خدا ہماری مدد کرے۔ خدا ہم پر رحم کرے، نواب صاحب اپنا سر پٹینے لگے۔

اب میرا ایک مشورہ ہے۔ اسقاط تو لازمی طور پر ہونا چاہئے مگر اب یہ کام جدید طبی طریقہ علاج سے ہی ممکن ہے۔ اس شہر کے بڑے شفا خانے سے بات کی گئی تو شہر میں ناقابل برداشت بدنامی کا خدشہ ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ ماہ منیر گونے کر

کلکتے چلے جائیں۔ وہاں گورے ڈاکٹروں کے بڑے شفا خانے ہیں۔ پھر وہاں آپ کو اس معاملے میں اس قدر اخفا کی ضرورت نہ ہوگی۔ میں آپ کے ساتھ چلتا مگر میں یہاں اس عمل میں اس کمینہ صفت شخص کا انتظار کروں گا۔ اور اسے جب تک تلاش نہیں کروں گا۔ مجھے سکون نہیں ملے گا ویسے اس راز سے ابھی تک گل رخ کے سوا اور کوئی واقف نہیں۔ اسے بھی آپ ساتھ لیتے جائیے۔ میں نے اس بات کی احتیاط کی ہے کہ بیٹا کے کمرے میں گل رخ کے سوا اور کوئی داخل نہ ہو۔ میں نے بیٹا کو کمرے سے نکلنے کی ممانعت بھی کر دی ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ ہم حالات کو سدھار سکتے ہیں۔ احتشام جاتی اب جو ہو گیا۔ وہ ہو گیا۔ آپ خود کو سنبھالنے اور نئے حالات سے نکلنے کا حوصلہ پیدا کیجئے۔

نواب صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو مسل رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

ایک رات کو جب محل کے تمام افراد سوئے ہوئے تھے۔ نواب احتشام اللہ خاموشی سے سر جھکائے اپنے باقی محل سے رخصت ہوئے۔ ان کے ساتھ ماہ میر اور گل رخ تھی۔ حکیم شجاع الدین نے انہیں اسٹیشن پر دداع کیا۔ کلکتے میں شہر سے در نسبت ایک ویران مقام پر انہوں نے پہلے سے ایک جنگلے کا انتظام کرایا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت ٹکڑا تھا جو غنیمت فرنیچر سے آراستہ تھا۔ گل رخ اور ماہ میر کے لئے ایک کمرہ محفوظ تھا۔ نواب صاحب کسی ملازم کو وہاں بٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے گھر کے وہ سارے ممبر خود کرنا شروع کئے جس کا بقدر بھی وہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہر ماہ۔ گوشت غنیمت گھر کا سارا سامان وہ خود لاتے تھے۔ گل رخ کھانا پکاتی تھی اور ماہ میر کمرے میں بیٹھی سسکیاں مارا کرتی تھی۔ نواب صاحب ماہ میر کے سامنے بہت کم

آتے جاتے تھے۔ جب ان کا سامنا ہوتا تو ماہ میر ہچکیاں لے لے کر رونے لگتی وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اور آنسو پونچھتے ہوئے اس جگہ سے چلے جاتے۔ گل رخ بار بار خود کو کوسی تھی کہ اگر وہ نیاز سے ملنے نہ جایا کرتی تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

نواب احتشام اللہ نے کلکتے کی کئی بڑی لیڈی ڈاکٹروں اور ڈاکٹروں سے ماہ میر کے متعلق مشورہ کیا۔ اس مرحلے پر کسی نے آپریشن کا مشورہ نہیں دیا۔ ان کی رائے تھی کہ ماہ میر کے غیر معمولی منفع اور نقاہت کی وجہ سے آپریشن یا دوسرے طریقوں سے اسقاط کا معاملہ پیچیدگی اختیار کر سکتا ہے۔ نواب صاحب نے ڈاکٹروں کو بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا کہ وہ جلد سے جلد اس گندگی سے اپنی بیٹی کو پاک کر دینے کے لئے مضطرب تھے۔ اور نوجوان لیڈی ڈاکٹر نے نواب صاحب کے شدید اصرار پر ماہ میر کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے پہلے تو اسقاط کی ددائیں دیں۔ جب اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو اس نے نواب صاحب سے آپریشن کرنے کی اجازت چاہی۔ نواب صاحب کو معلوم تھا کہ اس سے پہلے کئی ڈاکٹر ماہ میر کی شدید کمزوری کے سبب آپریشن کے خیال کو مسترد کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ اس پر تیار نہیں ہوئے۔ اور یہی طے ہوا کہ تین ماہ کسی نہ کسی طرح اور گزار دیئے جائیں۔

ان تین مہینوں میں نواب احتشام اللہ کی کمر جھبک گئی۔ ان کے چہرے پر جھریاں نمودار ہو گئیں۔ ان کا سر رخ و سپید رنگ بھلس گیا۔ وہ بہت بوڑھے اور نحیف معلوم ہونے لگے۔ گل رخ اور ماہ میر کے چہروں سے بھی شادابی جاتی رہی۔ وہ سب اپنی مدت میں تپ رہے تھے اور انہیں اچھے دنوں کا انتظار تھا۔

تین ماہ بعد ایک دن ماہ میر کو لیڈی ڈاکٹر کے ذاتی

شفا خانے میں پہنچا دیا گیا۔

نواب صاحب کلینک کی لابی میں پہلو بدل رہے تھے۔ وہ اندر سے آنے جانیوالی سرگرم نرسوں کو حشر سے دیکھتے اور کوئی جواب نہ پا کر تھلا اٹھتے۔ وہ اپنی بیٹیا کی دلرزہ چیزوں کو سن رہے تھے۔ اور ان کا دل ڈوب رہا تھا۔ بہت دیر بعد کہیں لیڈی ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوئی۔ نواب صاحب نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور وہ بھی بغیر جواب دیئے ادھر سے گزر گئی۔ نواب صاحب متوحش نکلا ہوں سے درد دیوار کو نکلنے لگے۔

آخر تین چار گھنٹے کے صبر آزما انتظار کے بعد لیڈی ڈاکٹر پھر نمودار ہوئی۔ وہ بہت پریشان اور حیرت زدہ نظر آرہی تھی آتے ہی اس نے نواب صاحب کو گھور کر دیکھا۔ نواب صاحب اس طرز عمل پر کچھ نہ سمجھ پائے۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا۔
"بتایا کیسی ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر حزام سے اٹکے برابر کھے ہوئے سونے میں دھنس گئی۔ اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر نواب صاحب سے نہ دلا گیا۔ انہوں نے اب کی کھی قدر حفسے میں پوچھا۔
"میں پرچھتا ہوں۔ بیٹیا کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے..... آپ کی بیٹیا خطرے سے باہر ہے مگر....." لیڈی ڈاکٹر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
"مگر کیا.....؟" نواب صاحب نے تیزی سے پوچھا۔

"نواب صاحب! میں اپنی زندگی کے حیرت انگیز تجربے سے دوچار ہوں۔ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔ خدا کے لئے مجھ سے زیادہ سوالات نہ کیجئے" پھر وہ خود ہی کہنے لگی "یہ تو بہت عجیب ہے۔ کوئی اس پر یقین

نہیں کرے گا۔ لیکن مددگار نرسیں اس کی شاہد ہیں۔ انہوں نے سب کچھ دیکھا اور کچھ نہیں دیکھا۔ طلب کی پوری تاریخ میں میں نے ایسا کیس نہیں پرچھا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ نہیں بتائیں گی۔ ہم رطکی کے باپ یہاں بیٹھے ہیں" نواب صاحب نے مضطرب ہو کر کہا۔

"اس نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ نواب صاحب عام کیسوں میں اس قدر شدت نہیں ہوتی۔ وہ زچگی کے تمام مرحلوں سے گزری۔ ہم نے وہ سب کچھ دیکھا اور محسوس کیا جو زچگی میں لازم ہوتا ہے۔ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا پر ہمیں کوئی بچہ۔ کبھی متم کا کوئی بچہ نظر نہیں آیا۔" کیا "نواب صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"جی" یہاں وہ مراحل بیان کرنا مناسب نہیں جو زچگی کے تمام کیسوں میں یکساں ہوتے ہیں۔ تمام فاسد مادے برآمد ہوئے اور ان کے ساتھ..... بس نواب صاحب ہم نے دیکھا کچھ ہوا ہے۔ مگر ہمیں کچھ نظر نہیں آیا۔ اب اس کا جسم عام حالت میں ہے اور زچگی کے بعد جو ضعف ہوتا ہے وہ اس پر بھی طاری ہے۔ پردہ بچہ وہ کہاں ہے؟ لیڈی ڈاکٹر اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر خاموش ہو گئی۔

نواب صاحب کا جی قدرے مطمئن اور ہلکا تھا۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ انہیں اس بچے کی صورت دیکھنے کی اذیت برداشت کرنا نہیں پڑی۔ مگر یہ سب کیسے ہو گیا وہ آنکھیں پھاڑے خلاؤں میں گھورنے لگے۔ پھر انہیں ایک ایک کر کے تمام واقعات یاد آنے لگے۔ ان کی مرحوم بیگم کا عجیب نوعیت کا حادثہ، ہر منیر کا حیرت انگیز واقعہ

ان کا تازہ تار لباس۔ ان کے محل کی ناقابل عبور مضبوط تفصیل
 بالائی منزل کی محفوظ محل سرا اور روزرات کو بدرمیر کے پاس
 ایک شخص کی ناقابل فہم آمد۔ شہر میں کسی نواب مکرم علی
 اور نواب زادے اعظم علی کی ناموجودگی۔ حکیم شجاع الدین کی
 تحقیقات اور مجرم کی تلاش میں ناکامی۔ پھر زچگی کا یہ
 انکھا واقعہ..... وہ واقعات کی کڑی سے کڑی ملائے گئے
 اب سب کچھ ان کے سامنے تھا۔ کھلی ہوئی کتاب کی طرح
 وہ بڑے اطمینان اعتماد اور سکون سے اٹھے۔ انہوں
 نے لیڈی ڈاکٹر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔

”میری بچی! نہ جانے کتنے ایسے واقعات اس دنیا میں
 ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ عقل جن کی توجہ سے قاصر
 ہے۔ تم خود ہی غور کرو کہ ایک مادرانی اور غیر فنی مخلوق کے کسی
 شخص کی اولاد نہیں کیسے نظر آ سکتی ہے۔ یہ سب ممکن ہے

میری بچی اس کائنات میں کیا ممکن نہیں۔ لیڈی ڈاکٹر حیران
 و ششدر انہیں دیکھنے لگی۔

نواب صاحب پراسرار انداز میں کہنے لگے۔ ”میں ہمتیں
 تفصیل سے بتاؤں گا کہ یہ سب کیسے ممکن ہے۔

تیسرے دن حکیم شجاع الدین کلکتے پہنچ گئے۔ پھر
 اس محل میں کبھی بہار نہیں آئی۔ حکیم شجاع الدین نے محل کو
 دیران چھوڑ کر نواب صاحب کی تمام جائیداد بیچ دی اور گل رخ
 کے لئے نیاز کو لے کر کلکتے چلے گئے۔ اس کے بعد ان لوگوں
 کا پتا نہیں چلا۔ کیا ہوا۔ وہ سب کلکتے سے کہاں چلے گئے
 آج نواب احتشام اللہ کے شاندار محل کے در و دیوار مسمار
 ہو گئے ہیں۔ وہاں خاک اڑتی ہے اور ہوا کا عالم طاری رہتا
 ہے۔ لوگوں میں اس کے متعلق عجیب و غریب قصے
 مشہور ہو گئے ہیں۔

